سونے میں، جاگنے میں؛ غرضکہ ہرکام اور ہر چیز میں نیچر کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔

زاہد از حورِ بہشتی بجز ایں نشناسد　　　که شود دستِ زدِ شوق و بکارت نرود

دست زدِ شوق ہونا یعنی شوق کے زیرِ مشق ہونا۔ خلاصہ مطلب یہ کہ زاہد شریعت کے تمام الفاظ سے انکے حقیقی معنی مراد لیتا ہے اور کسی بات کو تمثیل و استعارہ و کنایہ پر محمول نہیں کرتا۔

بیا و جوشِ تمنائے دیدنم بنگر　　　چو اشک از سرِ مژگاں چکیدنم بنگر

کہتا ہے کہ آ۔ اور دیدار کی تمنا جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اُسکو دیکھ۔ اور پلکوں کے رستے سے آنسو کی طرح میرا ٹپکنا ملاحظہ کر۔ جوشِ تمنائے دیدار کی تصویر اِس سے بہتر غالباً کسی نے نہ کھینچی ہوگی کہ "میں آنسو کی طرح پلکوں کے رستے سے ٹپکا جاتا ہوں"

ز من بجرمِ طپیدن کنارہ مے کردی　　　بیا بخاکِ من و آرمیدنم بنگر

دمیدہ دانہ و بالیدہ آشیاں گہ شد　　　در انتظارِ ہما دام چیدنم بنگر

کہتا ہے کہ ہما کے انتظار میں میرا جال بچھانا تو دیکھو۔ جو دانہ جال کے نیچے ہما کے پھنسانے کیلئے ڈالا تھا وہ اُگا اور بڑھا، اور یہاں تک بڑھا کہ اسمیں گھونسلے بنگئے بگر ہما ہی دام میں نہ آیا۔

اے ذوقِ نواسنجی بازم بخروش آور　　　غوغائے شبیخونے بر بنگہِ ہوش آور

گر خود بجہد از سر از دیدہ فرو بارم　　　دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بجوش آور

ہاں ہمدمِ فرزانہ دانی رہِ ویرانہ　　　شمعے کہ نخواہد شد از بادِ خموش آور

ویرانہ یعنی غریب خانہ۔ جو شمع کہ ہوا سے نہ بجھیگی یعنی شراب۔

شور است ایں وادی تلخ است اگر آبے　　　از شہر بسوئے من سرچشمۂ نوش آور

کہتا ہے کہ میں جس وادی میں ہوں یہاں کا پانی تو تلخ ہے اے ہمدم فرزانہ اگر تو فیاض ہے تو شہر سے میرے لئے سرچشمۂ نوش یعنی شراب لا۔

دانم کہ گذرے داری- ہر جا گذرے داری　　　مے گر ندہد سلطاں از بادہ فروش آور

گر مغ بہ کدو ریزد بر کف نہ و راہی شو　　　ور شہ بسبو بخشد بردار و بدوش آور

کہتا ہے کہ تیرے پاس دام بھی ہیں، اور تو سب جگہ آتا جاتا بھی ہے؛ اگر بادشاہ عطا کرے تو فبہا۔ ورنہ بادہ فروش سے لا۔ اگر مغ (آتش پرست) یعنی بادہ فروش تونبے میں ڈالدے تو تونبا ہاتھ پر رکھ اور چلدے۔ اور جو بادشاہ گھڑا بھر کر عنایت کرے تو کندھے پر اُٹھا اور لے آ۔

ریحاں دمد از مینا رامش چکد از قلقل　　　آں در رہِ چشم افگن ایں در رہِ گوش آور

رامش۔ راگ۔ آں سے مراد ریحاں اور ایں سے مراد قلقل۔

گاہے بسبکدستی از بادہ ز خویشم بر　　　گاہے بسیہ مستی از نغمہ بہوش آور

گاہے بسبکدستی یعنی کبھی جلدی سے مجھکو شراب پلاکر مدہوش کردے اور پھر جب میں بدمست ہوجاؤں تو مجھکو گانا سُناکر ہوشیار کر۔

غالب کہ بقایش باد- ہمپائے تو گر ناید　　　بارے غزلے، فردے، ازاں موئینہ پوش آور

ہمپائے تو یعنی ہمراہِ تو۔ موئینہ پوش اونی کپڑے پہننے والا۔ مرزا جاڑے میں روئی دار کپڑا نہیں پہنتے تھے، اکثر اونی یا پشمینے کا چغہ کوٹ، اور ٹوپی وغیرہ پہنتے تھے۔

یقینِ عشق کن و از سرِ گماں برخیز　　　بآشتی بنشیں یا بہ امتحاں برخیز

چرا بہ سنگ و گیاہ چیچی اے زبانۂ طور　　　ز راہِ دیدہ بدل در رو و ز جاں برخیز

زبانہ شعلہ وہ تجلی جو سنگ وگیاہ یعنی کوہ طور اور نخل ایمن پر ظاہر ہوئی تھی اُسکی طرف خطاب کرتاہے کہ اے شعلۂ طور! پتھر اور درخت سے جو کہ تیرے قابل نہیں ہیں کیوں لپٹتا ہے؟ ہماری آنکھ کی راہ سے دل میں اُترا اور جان سے بھڑک اُٹھ۔

عیادت است نہ پرخاش تندخوئی چیست؟   بیاو، غمزدہ بنشین، ولب گزاں برخیز

معشوق عیادت کو آیاہے اور عاشق کا حال نہایت سقیم دیکھکر بے لطف ہوا ہے اُس سے کہتا ہے کہ تو عیادت کے لیئے آیاہے، لڑائی کے لئے نہیں آیا! پھر یہ تندخوئی اور بدمزاجی کیسی ہے؟ یہاں اگر بے لطفی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ پس آ۔ اور مغموم بیٹھ۔ اور ہونٹ کاٹتا ہوا اُٹھ۔

نفس چون زبون گردد دیو را بفرمان گیر   محرمِ سلیمانم نقشِ خاتم از من پرس

کہتاہے کہ جب نفس مغلوب ہوگیا پھر جن کو محکوم کرلینا آسان ہے۔ میں سلیمان کا محرمِ راز ہوں! انکی انگوٹھی پر یہی نگیں کندہ تھا جس سے تمام جن اُسکے محکوم تھے۔

بوسہ از لبانم دہ، عمرِ خضر از من خواہ   جامِ مے بہ پیشم نہ، عشرتِ جم از من پرس

وردِ من بود غالب، یا علی بوطالب   نیست بخل با طالب، اسمِ اعظم از من پرس

کہتاہے کہ میرا وظیفہ یا علی ابنِ ابی طالب ہے! مجھکو طالبِ صادق سے کچھ بخل نہیں ہے! اسمِ اعظم مجھسے پوچھے کہ یہی "یا علی" اسمِ اعظم ہے۔

لطفے بجتِ ہر نگہِ خشمگیں شناس   آرایشِ جبینِ ستمگران زچین شناس

بے غم نہادِ مردِ گرامی ستانے شود   زنہار قدرِ خاطرِ اندوہگیں شناس

زنہار کے معنی یہاں ضرور بالضرور کے ہیں۔ یہ لفظ جب نہی پر آتاہے تو ہرگز کے معنی ہوتے ہیں

اور جب امر پر آتاہے تو ضرور کے معنی دیتاہے۔

دودِ سودائے تتق بست، آسمان نامیدمش   دیدہ بر خوابِ پریشان زد، جہان نامیدمش

دنیا ومافیہا کا ہیچ ہونا بیان کرتاہے! اور کہتا ہے کہ ایک خیالی دُھواں اُٹھکر شامیانہ سا بنگیا ہمنے اُسکا نام آسمان رکھ لیا۔ اور آنکھ کو ایک پریشان خواب نظر آیا اُسکو جہان سمجھ گئے۔ اسی طرح اسکے بعد کے کئی شعروں میں اسی مضمون کی تفصیل ہے۔ مثلاً

وہم۔ خاکے ریخت در چشمم بیابان دیدمش   قطرۂ بگداخت۔ بحرِ بیکران نامیدمش

باد دامن زد بر آتش، نوبہاران خواندمش   داغ گشت آں شعلہ۔ از مستی خزان نامیدمش

چونکہ نوبہار میں تمام جذباتِ نفسانی جوش میں آتے ہیں، اور عشق وہوس کی تحریک ہوتی ہے! اس لیئے بہار کو آگ سے تشبیہ دیتاہے۔ کہتاہے کہ ہوانے آگ کو دامن سے سُلگایا میں نے اُسکو بہار قرار دیدیا۔ اور جب وہ شعلہ جل بجھا تو میں نے اُسکا خزاں نام رکھدیا۔

غربتم ناسازگار آمد۔ وطن فہمیدمش   کرد تنگی حلقۂ دام۔ آشیان نامیدمش

کہتاہے کہ جب پردیس میں مجھے تکلیفیں پہنچنے لگیں تو میں اُسکو وطن سمجھا! گویا جب دام کے حلقہ نے تنگی کی تو میں اُسکو اپنا آشیانہ سمجھ گیا۔ مطلب یہ کہ وطن میں اس قدر بے مہری اور مغایرت لوگوں سے دیکھی تھی کہ جب پردیس مجھکو راس نہ آیا تو میں نے اُسکو بھی وطن ہی تصور کرلیا۔

بود در پہلو بہ تمکینے کہ دل مے گفتمش   رفت از شوخی بآئینے کہ جان نامیدمش

یہاں بود کی ضمیر معشوق کی طرف راجع ہے۔ کہتاہے کہ وہ میرے پہلو میں ایسی تمکیں کے ساتھ بیٹھا تھا جس طرح پہلو میں دل رہتاہے۔ اور وہ شوخی سے اُٹھکر اس طرح چلا گیا کہ میں اُسکو

جان کہ اٹھا یعنی جو جان کے جانے سے کیفیت ہوتی ہے وہی اُسکے جانے سے ہوئی۔

دل زباں را رازدانِ آشنایہا نخواست — گاہ بہماں گفتمش گاہے فلاں نامیدمش

در سلوک از ہر چہ پیش آمد گذشتن داشتم — کعبہ دیدم نقشِ پائے رہرواں نامیدمش

دل در غمش بسوز کہ جاں میدہد عوض — ور جاں دہی بہ نغمے ازاں میدہد عوض

نبود سخن سرائیِ ما رائگاں کہ دوست — دل می برد ز ما و زباں میدہد عوض

کہتا ہے کہ یہ سخن سرائی ہمکو مفت نہیں ملی ہے، بلکہ دوست جب دل لے لیتا ہے تو اُسکے عوض زبان عنایت کرتا ہے۔ زبان کو دل کا عوض قرار دینے میں شاعر نے لطافت یہ رکھی ہے کہ فی الحقیقۃ جب تک انسان کہیں دل نہیں دیتا اور عاشق نہیں ہوتا تب تک زبان میں گرمی اور شعلہ بیانی پیدا نہیں ہوسکتی، خواہ عشقِ مجازی ہو اور خواہ عشقِ حقیقی۔

مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ — ترا کہ ہست ونیا شامی از بہار چہ حظ

خوش ست کوثر و پاکست بادہ کہ درو نیست — ازاں رحیقِ مقدس دریں خمار چہ حظ

چمن پُر از گل و نسرین و دلربائی نیست — بدشتِ فتنہ ازیں گرد بے سوار چہ حظ

چمن پُر از گل و نسریں سے مراد دنیا ہے، اور دلربا سے مراد وہ ذات بے نشان ہے جو دید و دریافت سے باہر ہے۔ کہتا ہے کہ اس فتنہ خیز دشت یعنی دنیا میں۔ جہاں قدم قدم پر راہزن اور قزاق گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ اِس گرد بے سوار سے کیا مدد پہنچ سکتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب راہ میں مسافر کو

✝ جہاں اور فلاں دونو مرادف یکدگر ہیں۔ جب کسی کا نام مراد نہیں لینا ہوتا تو وہاں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اُردو میں ایسے موقع پر وہ یا وہ شخص یا اُسکا ڈھمکا بولتے ہیں ۱۲

خطرہ ہوتا ہے اور اُسکی کمک کے لئے کوئی سوار آتا ہے تو اول گرد نظر آتی ہے، پھر سوار نمودار ہوتا ہے، مگر اِس دشت میں گرد یعنی آثار و علامات تو سب موجود ہیں مگر سوار کا کہیں پتہ نہیں۔

چنیں کہ نخل بلند است و سنگ ناپیدا — ز میوہ تا نہ فتد خود ز شاخسار چہ حظ

یعنی جبکہ نخل اِس قدر بلند ہے اور پھل جھاڑنے کے لئے پتھر ناپید ہیں تو جب تک میوہ خود درخت سے نہ گرے۔ یعنی جب تک جاذبہ عنایت ہمکو خود اپنی طرف نہ کھینچے اور شاہد حقیقی خود اپنی جھلکی نہ دکھائے۔ ہمکو کیا فائدہ؟

نہ مرا دولتِ دنیا۔ نہ مرا اجرِ جمیل — نہ چو نمرود توانا۔ نہ شکیبا چو خلیل

بُنہ و بار بہ شبگیر در افگندہ براہ — آنکہ دانست سراسیمگیِ صبحِ رحیل

بُنہ و بار۔ ساز و سامان۔ شبگیر پچھلی رات۔ یعنی جو شخص جانتا ہے کہ کوچ کی صبح کو کیسی گھبراہٹ اور کھل بلی پڑتی ہے وہ رات ہی سے تمام ساز و سامان باندھ جوڑ کر رستے کے سرے پر ڈال دیتا ہے۔

نکنی چارہ لبِ خشک مسلمانے را — اے بہ ترسا بچگاں کردہ مئے ناب سبیل

یہ خطاب ہے خدا کی طرف۔ معنی ظاہر ہیں۔

غالبِ خستہ جاں را چہ بگفتار آری — بدیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل

ندانند نظیری ز قتیل یعنی نظیری اور قتیل میں فرق نہیں کرتے۔

بسکہ بہ پیچ بہ خویش جادہ ز گمراہیم — رہ بدرازی دہد عشوۂ کوتاہیم

ایک معقول بات کو محسوسات کی تمثیل میں ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ طریق معرفت سے

نابلد ہیں، یا یوں کہو کہ اس رستے میں گمراہ ہیں، وہ معرفتِ الٰہی کو اس قدر دشوار نہیں سمجھتے جس قدر کہ عرفا اور کمّلِ اولیا سمجھتے ہیں۔ اِس مطلب کو یوں بیان کرتا ہے کہ میری گمراہی کی شامت سے راہ اپنے اوپر اِس طرح بل کھاتی ہے جس طرح رسّی یا ڈورا زیادہ بل کھانے سے چھوٹا ہو جاتا ہے پس وہ یعنی راہِ معرفت باوجودیکہ بہت دور و دراز ہے مجھکو کوتاہی کا غشوہ یعنی فریب دیتی ہے۔

شعلہ چکد ز غم گرا - گل شگفد ز درد گو | شمعِ شبستانیم - بادِ سحرگاہیم

اپنی مصیبت اور اپنی فیض رسانی اور اُسپر لوگوں کی بیدردی اور ناقدردانی ظاہر کرتا ہے کہتا ہے کہ میں گویا شمعِ شبستانی ہوں کہ اسمیں سے شعلے جھڑتے ہیں مگر کسی کو اُسکے ساتھ ہمدردی نہیں۔ اور گویا میں بادِ سحرگاہی ہوں جو پھول کھلاتی ہے مگر اُسکی اُجرت کوئی نہیں ادا کرتا۔

از صفِ طفلان و سنگ رہ شدہ بر خلق تنگ | زود زکو نگذرد کوکبۂ شاہیم

یعنی میری شاہانہ سواری کوچے سے جلد نہیں گذرتی کیونکہ لڑکوں کے ہجوم اور پتھروں کے ستھراؤ سے راہ تنگ ہو جاتی ہے۔

جذبِ تو باید قوی کاں ببرد - باک نیست | گر نتواند رسید بخت بہمراہیم

کہتا ہے کہ تیرا جذبہ قوی چاہیئے جو مجھکو منزل تک لیجائے۔ پس نصیب اگر میرے ساتھ نہ چل سکے تو کچھ حرج نہیں۔

غالبِ نام آورم نام و نشانم مپرس | ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم
بر لبِ یا علی سرائے - بادہ روانہ کردہ ایم | مشربِ حق گزیدہ ایم عیش مغانہ کردہ ایم

روانہ کردہ ایم یعنی جاری کردہ ایم۔ کہتا ہے کہ چونکہ لب پہ یا علی جاری ہے اِس لحاظ سے تو ہمنے مذہبِ حق اختیار کیا ہے، اور چونکہ اُسپر شراب جاری ہے اِس لحاظ سے مغوں یعنی آتش پرستوں کا سا عیش کرتے ہیں یعنی دنیا اور دین دونو ہمکو حاصل ہیں۔

بادہ بوام خوردہ و زر بقمار باختہ | وہ کہ ز ہر چہ نا سزاست ہم بسزا نکردہ ایم

یعنی شراب پینا اور روپیہ ضائع کرنا تو بُرا تھا ہی، ہمنے ان بُرائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ نہ کیا شراب پی تو قرض کی، اور روپیہ کھویا تو جوئے میں۔

نالہ بلب شکستہ ایم - داغ بدل نہفتہ ایم | دولتیانِ مُمسکیم زر بخزانہ کردہ ایم

نالہ بلب شکستہ ایم یعنی اُسکو منھ سے نہیں نکلنے دیتے، اور ضبط کرتے ہیں، اور داغ کو دل میں چھپائے رکھتے ہیں، ہم دولتمند تو ہیں مگر خسیس ہیں اپنی دولت کو خزانے میں رکھتے ہیں۔

گر فراموشی بفریادم رسد - قلت وقت | رفتہ ام از خویشتن چند آنکہ در یادِ خودم

کہتا ہے کہ میں اپنے آپے سے تو گذر گیا ہوں مگر ابھی آپے کو بھولا نہیں ہوں اگر فراموشی اسوقت میری فریاد کو پہنچے اور آپے کو بھلا بھی دے تو بہت مناسب ہے۔

ہر قدم لختے ز خود رفتن بود در بارِ من | ہمچو شمعِ بزم در راہِ فنا زادِ خودم

کہتا ہے کہ راہِ فنا میں جو کچھ کہ میرے بار یعنی خورجی یا زنبیل میں ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے آپے سے دور ہوتا جاتا ہوں۔ گویا جس طرح کہ شمع راہِ فنا میں آپ ہی اپنا زادِ راہ ہے کہ برابر پگھلتی جاتی ہے اور زادِ راہ کی طرح گھٹتی جاتی ہے اسی طرح میں بھی آپ اپنا زادِ راہ ہوں۔

یاد باد آں روزگاراں کاعتبارے داشتم   آہِ آتش ناک وچشمِ اشکبارے داشتم

جوانی کے زمانے کو یاد کرتا ہے۔ جبکہ بوالہوسی یا عشق ومحبت زور شور پر تھا؛ آہ آتشناک تھی اور آنکھ اشکبار۔

دیگر از خویشتم خبر نبود تکلّف برطرف۔   ایں قدر دانم کہ غالبؔ نام یارے داشتم

ایں چہ شورست کہ از شوقِ تو در سر دارم   دلِ پروانہ وتمکینِ سمندر دارم

آں چرا در طرب۔ ایں نیز چرا در تعب است   خندہ بر غفلتِ درویش وتونگر دارم

کہتا ہے کہ میں درویش اور توانگر دونوں کی غفلت پہ ہنستا ہوں جبکہ دنیا کا طرب اور تعب دونو ہیچ ہیں تو ایک خوش کیوں ہے؟ اور دوسرا رنجیدہ کس لئے ہے؟

رازدارِ تو وبد نام کنِ گردشِ چرخ   ہم سپاس از تو وہم شکوہ ز اختر دارم

خدا سے کہتا ہے کہ جو مجھے تکلیف پہنچتی ہے اسکی مصلحت کو خوب سمجھتا ہوں، مگر آسمان کو بدنام کرتا ہوں۔ پس درحقیقت تیرا احسانمند ہوں مگر بظاہر ستارے کا شکوہ گزار۔

خوشنودم از تو وز پئے دور باشِ خلق   آوازۂ جفائے تو در عالم افگنم

کہتا ہے کہ میں نے تجھکو جفاکار اس لئے مشہور کر رکھا ہے کہ اور کوئی تیری طرف رغبت نہ کرے ورنہ میں درحقیقت تجھسے ہر طرح راضی اور خوشنود ہوں۔

دوزند گر بفرض زمین را بہ آسماں   حاشا کزیں فشار در ابرو خم افگنم

ہم بعالم ز اہلِ عالم برکنار افتادہ ام   چوں امامِ سبحہ بیروں از شمار افتادہ ام

زمن حذر نکنی گر لباسِ دیں دارم   نہفتہ کافرم وبت در آستیں دارم

اس شعر کے مصداق وہ مکار اور ریاکار لوگ ہیں جنکو متشرع اور مقدس سمجھکر انکے آگے کوئی بات ہنسی یا بے تہذیبی یا رندمشربی کی کہتے ہوئے شرم آتی ہے؛ مگر انکو ذرا ٹٹول کر دیکھئے تو وہ ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنے والے نکلتے ہیں۔ اس میں خطاب معشوق کی طرف ہے۔ جو نوعمر ہونے کے سبب مقدس آدمیوں کی صحبت سے بھاگتا ہے۔

نشستہ ام بگدائی بشاہراہ وہنوز   ہزار دزد بھر گوشہ در کمیں دارم

ہنوز کا لفظ یہاں ایسا ہے جیسا اردو میں "تاہم" یا "باوجود اسکے" بولتے ہیں۔ کہتا ہے کہ میں امیروں کی مدح سرائی کے لحاظ سے تو ایسا ہوں جیسے شاہراہ میں ایک گدا بیٹھا ہو مگر اس لحاظ سے کہ لوگ میرے مضمون چراتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ ہزاروں چوٹے میری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

ز وعدہ دوزخیاں را فزوں نیاز ارند   توقع عجب از آہِ آتشیں دارم

کہتا ہے کہ اہلِ دوزخ کو ظاہر ہے کہ میعاد معین سے زیادہ دوزخ میں نہ رکھینگے؛ پس اس خیال سے میں اپنی آہِ آتشیں سے ایک عجیب توقع رکھتا ہوں؛ یعنی یہ کہ آہِ آتشیں بھی ہمیشہ نہ رہے گی اس توقع کو عجیب اس لئے کہا ہے کہ اسکو بھی دوزخ پر قیاس کرکے اس سے آخرکار نجات کا امیدوار ہے۔

جوابِ خواجہ نظیری نوشتہ ام غالبؔ   خطا نمودہ ام وچشمِ آفریں دارم

دوسرا مصرع نظیری کا ہے۔ جس کا پہلا اصل مصرع یہ ہے "دمرا یہ سادہ دلیہائے من توان بخشید" نظیری کا یہ شعر بڑے رتبے کا ہے؛ مگر حق یہ ہے کہ مرزا نے یہ مصرع تضمین کیا ہے گویا اسکو

چھین لیا ہے۔ مرزا کے مقطع کا مطلب اب یہ ہو گیا کہ نظیری کی غزل پر غزل لکھنی تھی تو خطا۔ مگر میں نے اُس پر ایسی غزل لکھی ہے کہ اپنی اِس خطا پر آفریں کا امیدوار ہوں۔

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم   قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم

معشوق سے کہتا ہے کہ تو آ، تاکہ آسماں کا یہ قاعدہ کہ وہ دوست کو دوست سے نہیں ملنے دیتا ہم تم دونوں ملکر پلٹ دیں، اور حکم قضا کو رطل گراں یعنی جام شراب۔ کی گردش سے پھیر دیں۔

بگوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم   بکوچہ بر سرِ رہ پاسباں بگردانیم

در فراز کنیم یعنی دروازہ بند کر دیں اور چوکیدار کو حکم دیں کہ کوچے میں پھرتا رہے اور کسیکو آنے نہ دے۔

اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم   وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم

اگر کلیم شود ہمزباں سخن نہ کنیم   وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

یعنی نندیشیم

گل افگنیم و گلابے برہگذر پاشیم   مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم   بکار و بارِ زنے کارداں بگردانیم

خادمہ

گہے بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم   گہے ببوسہ زباں در دہاں بگردانیم

لابہ۔ تملق و خوشامد۔ سخن کو ادا کے ساتھ ملانا۔ بناؤ چاؤ اور راز و نیاز کی باتیں کرنا۔

نہیم شرم بیک سو و باہم آویزیم   بشوخیئے کہ رخ اختراں بگردانیم

ز جوش سینہ سحر را نفس فرو بندیم   بلائے گرمی روز از جہاں بگردانیم

یعنی اختلاط کے موقع پر ہم دو تو ایسے زور زور سے سانس لیں کہ صبح کا دم بند کر دیں، اور اُسکو طلوع نہونے دیں، اور دن کی گرمی کی بلا جہاں سے ٹال دیں۔

بوہم شب ہمہ را در غلط بیندازیم   ز نیمہ رہ رمہ را باشباں بگردانیم

یعنی سب کو رات کے دھوکے میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چرواہے کو ریوڑ سمیت آدھے رستے سے شہر کی طرف اُلٹا پھیر دیں۔

بجنگ باج ستانانِ شاخساری را   تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

یعنی جو لوگ درختوں سے میوہ اور فواکہ کی ڈالی لینے کو آئیں اُنکو لڑکر باغ کے باہر ہی سے خالی چھال کے ساتھ پھیر دیں۔

بہ صلح بال فشانانِ صبحگاہی را   ز شاخسار سوے آشیاں بگردانیم

یعنی جو پرندے صبح کو گھونسلوں سے درختوں پر آ کر کلیل کرتے ہیں اُن کو نرمی اور چمکار کے ساتھ گھونسلوں کی طرف لوٹا دیں۔

ز حیدریم من و تو۔ ز ما عجب نبود   گر آفتاب سوے خاوراں بگردانیم

کہتا ہے کہ ہم تم حیدری ہیں، ہمسے تعجب نہیں کہ جس طرح بقولِ بعض حیدر کرار سے معجزۂ ردُالشمس ظاہر ہوا تھا۔ ہم بھی آفتاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں۔

رفت بر ما انچہ خود ما خواستیم   واپہ از سلطاں بغوغا خواستیم

قاعدہ ہے کہ جب فقیر بادشاہ سے بھیک مانگتے وقت شور و غل کرتا ہے تو اُسکو مار کر ہٹا دیتے ہیں اور کچھ نہیں دیتے۔ کہتا ہے کہ ہمپر جو سختی گذری وہ خود ہمنے ہی چاہی تھی؛ کیونکہ بادشاہ سے بھیک مانگتے وقت غل شور بہت کیا؛ اِس لئے وہاں سے دھتکارے گئے اور کچھ نہ ملا۔ سلطان سے مراد خدا تعالے ہے۔

دانش و گنجینہ پنداری یکیست   حق نہاں داد آں چہ پیدا خواستیم

پنداری اور گوئی اور گویا کے ایک معنی ہیں. کہتا ہے کہ علم اور خزانہ گویا ایک ہی چیز ہیں؛ کیونکہ جو چیز ہمنے علانیہ مانگی - یعنی دولت - وہ خدانے ہمکو پوشیدہ طور پر دی یعنی علم و ہنر

رفت و باز آمد ہما در دامِ ما   باز سر دادیم و عنقا خواستیم

کہتا ہے کہ ہما ہمارے دام میں پھنس کر نکل گیا تھا پھر آن پھنسا؛ اب چاہیئے تھا کہ اُسکی زیادہ نگرانی کرتے اور اُسکو نکلنے نہ دیتے؛ مگر ہمنے اُسکو خود چھوڑ دیا اور عنقا کی خواہش کی - ہما سے مراد دولتِ دنیا؛ اور عنقا سے مراد احدیتِ ذات.

وحشتے در سفر از برگِ سفر داشتہ ایم   توشۂ راہ - دلے بود کہ بر داشتہ ایم

داغِ احسانِ قبولی لیمانش نیست   ناز بر خرّمی بختِ ہنر داشتہ ایم

قبولی اور قبول ایک معنی میں آتا ہے. خرّمی بختِ ہنر یعنی سرسبزی بختِ ہنر - کہتا ہے کہ ہمکو اپنے ہنر کی خوش نصیبی پر ناز ہے کیونکہ اُسپر کمینوں کی قبولیت کے احسان کا داغ نہیں ہے. یہاں خرّمیِ بخت کا لفظ استہزاءً ناسازیِ بخت پر بولا گیا ہے.

زخمِ جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم   موجِ گہرم جنبش و رفتار ندانم

یعنی جس طرح زخمِ جگر تک بخیہ و مرہم کی رسائی نہیں ہے اور آبِ گوہر کی موج میں جنبش و رفتار نہیں ہے؛ ایسا ہی میرا حال ہے - یعنی نہ کسی کو میرے درد کی خبر ہے؛ نہ میرے کمال کی اطلاع ہے

نقدِ خردم - سکۂ سلطاں نہ پذیرم   جنسِ ہنرم گرمیِ بازار ندانم

غالب نبود کوتہی از دوست - ہمانا   زاں ساں دہدم کام کہ بسیار ندانم

یعنی وہ اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ اکثر مجھکو شعور نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ کام بنگیا.

ذیل کی غزل نواب مصطفٰے خاں مرحوم کے مکان پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اُسمیں پڑھی گئی تھی. چونکہ دلّی کے تمام نامور شعراکا - جو وہاں فارسی غزلیں لکھکر لیجاتے تھے - مرزا نے اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لئے بطور یادگار کے ساری غزل یہاں نقل کیجاتی ہے.

ای پری چہرہ غزالان زرمِ مردم رمِ شاں   دلِ مردم بخمِ طرّۂ خم در خمِ شاں

(یعنی اے پری چہرہ غزالاں)

کافر انند جہاں جوے - کہ ہرگز نبود   طرّۂ حور دلا ویز تر از پرچمِ شاں

آشکارا کشش، و بدنام، نکو نامی جوے!   آہ ازیں طائفہ - وانکس کہ بود محرمِ شاں

رشک بر تشنۂ تنہا رو وادی دارم   نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزمِ شاں

بگذر از خستہ دلانے کہ ندانی - ہُش دار   خستگانند کہ دانی و نداری غمِ شاں

یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جنکو تو نہیں جانتا؛ مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے آفت زدہ ہیں جنکو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم تجھکو نہیں.

داغِ خوں گرمیِ ایں چارہ گرانم گوئی   آتش است آتش اگر پنبہ و گر مرہمِ شاں

(بحث و ہمدردی)

ایکہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم   چہ بامنتِ بسیار نہی از کمِ شاں

ہند را خوش نفسانند سخنور - کہ بود   باد در خلوتِ شاں مشک فشاں از دمِ شاں

(یعنی خوش نفساں سخنور اند)

مومن و نیّر و صہبائی و علوی - وانگاہ   حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظمِ شاں

غالبِ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بشمار   ہست در بزمِ سخن ہمنفس و ہمدمِ شاں